میرزہ کاک

سروانند کول پریمؔی کاشمیری

کشمیر کا ایک مشہور سنت کوی

میرزہ کاک
(کاک صاحب)

مصنف

سروانند کول پریمی کاشمیری
موضع صوف ڈاک خانہ کوکر ناگ
اننت ناگ کشمیر

پبلشر
راجندر پریمی
ای-۱۷۲، سریتا وہار، نئی دہلی-۱۱۰۰۷۶

(دو لفظ)

کشمیر کی برگزیدہ روحانی ہستی اور مایہ ناز شخصیت میرزہ کاک کے حالات زندگی، معجزات اور رموز سے متلق تحقیقی اور مُستند کتابچہ 1960 میں شایع ہوا اس سے پہلے پچاس کی دہائی میں میرزہ کاک کے واکھوں پر مشتمل ایک کتابچہ (واکھ ہائے مرزکاک) کے نام سے شایع ہوا۔ ان دونوں کارناموں کے مصنف امرشہید سروانند کول پریمی کی ان کاوشوں کی نہ صرف پذیرای ہوئی بلکہ انہیں ایک بڑے تحقیقی کام سے بھی تعبیر کیا گیا۔ کاک جی کے پرستاروں اور کشمیری زبان و ادب کے مداحوں کے پُرزور اصرار پر کتابچہ کا دوسرا ایڈیشن آپ کے پاس ہے اُمید ہے آپ کو استفادہ ہوگا۔ ساتھ ہی مجھے یہ کہنے میں بھی فخر محسوس ہو رہا ہے کہ کاک جی کے اُن واکھوں کا ایک نیا مجموعہ بھی عنقریب شایع ہو رہا ہے جو ابھی تک منظرِ عام پر نہیں لائے جا سکے ہیں۔

22 اپریل (اتوار) 2007
ویشاکھ شکلہ پنچ شیم
سپت رشی سموت 5083

دعاگو
راجندر پریمی
ای172، سریتا وہار،
نئی دہلی۔ 110076
فون نمبر۔ 011-29941116

مُصنف : سروانند کول پریمی

پبلشر : راجندر پریمی
ای۔۱۷۲، سریتا وہار
نئی دہلی۔۱۱۰۰۷۶

سال : 2007

قیمت : -/50 روپیے

پہلی اشاعت : 1960

پرنٹر : سِگما انٹر پرائزز، نئی دہلی۔۲۵

سپنا

"میں گہری نیند سویا تھا۔ میں نے ایک میٹھا سپنا دیکھا۔ کوئی مجھے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگا رہا تھا اور اُونچی آواز میں کہہ رہا تھا۔ اب جاگ۔ اس گہری نیند سے جاگ۔ اُٹھ کمر باندھ اور میرا کام کر۔ اب وقت آن پہنچا ہے۔ قلم اُٹھا اور لِکھتا جا۔ میں نے کروٹ بدلی اور ہاتھ جوڑ کر جواب دیا۔ آپ کا حُکم سر آنکھوں پر۔"

میں گہری نیند سے جاگ پڑا اور لکھنے لگا۔ ننّھی وِجے میرے سامنے کھیل رہی تھی۔

پریمی

ترتیب

کو کایا جانو۔" اس سے بھگت کی تشفی ہوئی اور وہ پیروں پڑا۔

کشمیر کی ثقافت کے بیش بہا خزانے اور انمول موتی پریشاں حالت میں بکھرے پڑے ہیں۔ ان قیمتی چیزوں کا کھوجنا ہر پڑھے لکھے کشمیری کا فرض اوّلین ہے۔

میں پریمی جی کی اس کوشش کی داد دِیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے چند بکھری ہوئی چیزوں کو یکجا کر کے کشمیری کلچر کی بہترین خدمت سرانجام دی ہے اور نوجوان طبقہ کو ان سے رُوشناس کرایا ہے۔

آئے دِن ہماری پود میں اپنے آبائی رُوحانی قدروں اور اخلاقی معیاروں سے نا آشنا ہونے کا جو رُجحان پایا جاتا ہے اُس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اپنے بچوں کے سامنے مادی نصب العین رکھا ہے۔ ہمارے بچے دُنیا بھر کے بچوں کے مقابلہ میں زیادہ خوش قسمت ہیں۔ کیونکہ ان کا وِرثہ زیادہ شاندار ہے۔ لیکن اس عمرانی اور ثقافتی ورثہ سے انھیں روشناس کرانے کی بہت ضرورت ہے۔

پریمی جی کی کوشش اس کمی کو پورا کرنے کی طرف ایک قابل تقلید قدم ہے۔ اس کتابچہ سے ہماری اولاد کو کافی استفادہ ہونے کی توقع ہے۔

24/اپریل 1960ء

جیالال کول ناظر
رِشی نواس سرینگر

پیش لفظ

سوامی میرزہ کاک جی ایک اُمی پرسدھ مہاتما ہو گذرے ہیں۔ یُوں تو آپ کا وطن مالوف ہانگل گنڈ ہے جو علاقہ برنگ میں کوکرناگ کے پاس ایک پُر فضا گاؤں ہے۔ لیکن سرینگر کے بہت سے ہند و گھرانوں میں آپ کا آنا جانا رہا ہے اور سرینگر کے کئی لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں شامل تھے اور کئی موقعوں پر معرفت کے شیدائی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے رہے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ سادگی مجسم تھے اور دِن رات آپ سمادھی میں رہتے تھے۔ آپ پٹھانوں کے آخری دور کی پیداوار ہیں اور آپ کے کلام سے اس دور کے سماجی اور رُوحانی حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

آپ کے کلام میں جامعیت کُوٹ کُوٹ کر بھری پڑی ہے۔ یوگیشوری لل دید اور مہرِ عرفاں نورالدین ولی کے کلام کی جھلکیاں آپ کے شلوکوں میں نُمایاں طور پر پائی جاتی ہیں۔ آپ اختصار پسند تھے۔ ایک لفظ کہہ کر ایک کتاب کے مضمون کو نبھاتے تھے۔ کسی بھگت نے آپ سے پوچھا کہ مہاراج مایا سے کیا مُراد ہے؟ آپ نے فرمایا۔ "مایا کو چھایا جانو۔" بھگت نے مزید تشریح کی التجا کی۔ بولے۔ "چھایا

ہے اور بہت حد تک ان کی سوانح عمری سے بھی لوگ واقف ہیں۔ مگر جہاں تک میرزہ کاک کا تعلق ہے۔ ان کی زندگی اور ان کے کلام سے ماسوائے چند ایک، اکثر کشمیری نا واقف ہی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ میرزہ کاک جو کہ کاک جی کے نام سے ہی مشہور ہیں، ایک بہت بڑے باکمال، روحانی ہستی اور بلند پایہ شاعر تھے۔ ان کے معجزے اور روحانی کمالات لامثال ہیں۔ ان کی شاعری گیان اور روحانیت کا بھنڈار ہے۔

پچھلے سال جنوری کے دِنوں میں جب میں روپہ بھوانی کی مختصر سوانح عمری ترتیب دے رہا تھا تو سرینگر میں کئی دوستوں نے مُجھ سے پُوچھا کہ یہ میرزہ کاک کون ہوتے ہیں؟ مجھے اُن کے اس استفسار پر بڑی حیرت ہوئی کہ کیا یہ لوگ کاک جی کے نام سے بھی ناواقف ہیں۔ اسی طرح اور بھی کئی دوستوں سے یہی سوال سُنتا رہا۔ جہاں بھی مجھے موقعہ ملا، میں ان لوگوں کی تھوڑی بہت تشفی کرتا رہا۔ مگر اُن ہی دِنوں مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ میرزہ کاک کی مختصر سی سوانح عمری لِکھ کر لوگوں کا کاک جی سے تعارف کراؤں۔ میں نے اس سلسلے میں کام شروع کیا اور ضروری مواد فراہم کرنے میں لگ گیا۔

کئی وجوہ کی بنا پر آج تک میرزہ کاک کے حالاتِ زندگی اور کلام چھپنے سے رہ گیا تھا، اس لئے عام لوگ بھی ان کے کلام سے

دو باتیں

کشمیر جنّت نظیر ہے۔ نہ صرف اپنی قدرتی خوبصورتی کی وجہ سے دُنیا بھر میں مشہور ہے بلکہ ہماری اس سرزمین نے ایسی ایسی مشہور ہستیوں کو جنم دیا ہے جن کی بدولت کشمیر آج تک اپنا سر فخر سے اُونچا رکھے ہوئے ہے۔ ہمارے ملک میں نہ صرف بڑے بڑے فلاسفر، عالم، سیاست دان اور حکمران ہی پیدا ہوئے بلکہ ایسی رُوحانی ہستیاں بھی پیدا ہوئی ہیں جن کے روحانی کمالات آج کل کی سائینسی دُنیا کو بھی حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ عارفوں اور صوفی شاعروں نے نہ صرف اپنا نام ہی زندہ رکھا بلکہ آنے والی پود کے لئے اپنی حیات اور اپنے کلام کو مثلِ مشعل روشن کر کے رکھ دیا ہے اور آنے والی نسلوں کے لئے اخوت، پریم، برادری، یکسانیت، رواداری اور مذہبی یگانگت کی جیتی جاگتی تصویریں چھوڑ دیں۔ للّہ دید، اِرنہ مال، روپہ بھوانی اور حبہ خاتون جیسی مشہور خواتین۔ نورالدین صاحب ولیؒ (نندریشی) پرمانند اور میرزہ کاک وغیرہ جیسے صوفی شاعر کشمیر جنت نظیر کی پاک سرزمین کی ہی پیداوار ہیں۔

للّہ دید، اِرنہ مال، روپہ بھوانی، حبہ خاتون، نندہ ریشی اور پرمانند وغیرہ کا کلام تو کسی نہ کسی شکل میں لوگوں کے سامنے آ ہی چکا

پیدائش اور بچپن

اکثر دیکھا گیا ہے کہ کشمیر میں جتنے بھی بڑے بڑے سنت، عارف یا شاعر اور صوفی ہو گذرے ہیں۔ ان میں سے بہتوں نے یا تو دیہات میں ہی جنم لیا ہے یا دیہات میں اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گذارا ہے۔ للؔ دید یا لل عارفہ سیمؔ پور (پانپور) میں جنمی تھی۔ روپہؔ بھوانی اگرچہ سرینگر میں جنمی تھی مگر اپنی زندگی کا قیمتی اور بیشتر حصہ چشمہؔ صاحبی، لارؔ، منّیؔ گام اور واسُک کنڈ (واسکورہ) وغیرہ دیہات میں ہی گذارا۔ پرمانندؔ (پنڈت نندہ رام) مٹنؔ میں پیدا ہوئے تھے اور وہاں ہی اپنی ساری عمر گذاری۔ شاعرہ حبہ خاتون چندہارؔ کی ایک غریب دیہاتی گھرانے کی ہی لڑکی تھی۔ اسی طرح شیخ نورؔا الدین ولیؒ (نُندہ ریشی) کیموہؔ کے رہنے والے تھے اور چرار شریف کو اپنا مسکن بنایا۔ شری میرزہ کاک کی جنم بھومی کا شرف بھی ایک گاؤں کو ہی حاصل ہوا ہے۔ ان کی جائے ولادت کے بارے میں مختلف رائیں ہیں۔ کئیوں کا خیال ہے کہ میرزہ کاک موضع اچھنؔ (تحصیل پُلوامہ) میں پیدا ہوئے ہیں اور بہتوں کی اٹل رائے یہ ہے کہ ہانگلؔ گنڈ ہی ان کی جائے ولادت ہے۔ ان دونوں گاؤں کو میرزہ کاک کے بچپن سے کافی گہرا تعلق رہا ہے۔ چونکہ میرزہ کاک ہانگل گنڈ میں ہی پلے بڑھے، یہاں ہی انھوں نے اپنی ساری عمر گذاری۔ یہیں سے ان کی رُوحانیت کی دھارا بہہ نکلی اور

آج تک محروم رہے۔ جُوں ہی میں نے روپیہ بھوانی کتابچے میں میرزہ کاکؔ کے مختصر حالاتِ زندگی شائع کرنے کا اعلان کیا تب سے آج تک برابر مجھے لوگوں کے خطوط اور تقاضے آتے رہے اور مُجھ سے پُوچھ تاچھ ہوتی رہی کہ کتاب کب شائع ہو گی۔ لوگوں کی اس پیاس اور مانگ کو دیکھ کر میں نے اخبار "مارتنڈ" کے ذریعے میرزہ کاک کے متعلق کچھ قسطوں میں لوگوں کو تھوڑی بہت واقفیت بہم پہنچانے کی کوشش کی۔ اس پر مجھے حوصلہ افزا آرا موصول ہوتی رہیں۔

آج کے مُبارک دِن پر مجھے یہ کتاب ناظرین کی بھینٹ کرنے میں ازحد مسّرت ہوتی ہے۔ میری یہ محنت کہاں تک کامیاب رہی ہے، اس کا فیصلہ ناظرین ہی کریں گے۔ پروفیسر جیا لال کول صاحب ناظرؔ نے پیش لفظ لِکھ کر میری حوصلہ افزائی فرمائی ہے جس کے لئے میں کافی ممنون ہوں۔ اُن تمام دوستوں کا بھی شکریہ ادا کئے بغیر اپنا کلام نامکمل سمجھوں گا جنہوں نے مجھے اس نیک کام میں تعاون بخشا۔ شری پُشکر ناتھ تِکو کا میں ازحد مشکور ہوں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت صرف کر کے عبارت کی نظرثانی فرمانے کی تکلیف گوارا کی۔

صوف۔ شکروار 13/مئی 1960ء

(جیٹھ کرشنا دُوتیا)

سروانند کول پریمیؔ کاشمیری

ہے اور اس طرح سے میرزہ کاک کا جنم دِن منانے کی یہ رسم انجام دی جاتی ہے۔

کہتے ہیں بھُولہ پنڈت کی ایک ماسی اچھن (تحصیل پُلوامہ) میں بیاہی گئی تھی اور بیاہ کے بہت مدّت بعد تک اُس کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اس پر اُس نے بہت منّت سماجت کر کے اپنی بہن کے دوسرے لڑکے میرزہ کاک کو متبنٰی لے کر اس کو اپنا ہی بیٹا سمجھ کر پالا پوسا۔ چونکہ اُن دِنوں آج کل کی طرح مدرسے اور اسکول جگہ جگہ جاری نہیں تھے، البتہ مکتبوں میں فارسی اور "پنڈتوں" کے پاس سنسکرت کی تعلیم حاصل کرنے کا واحد طریقہ تھا، مگر پھر بھی اُس کو کسی آخُون یا "پنڈت" کے پاس جا کر فارسی یا سنسکرت کی اچھی خاصی تعلیم حاصل کر کا موقعہ ہی نہ مِلا۔ اچھن میں وہ اپنی ماسی (جوکہ اب اُس کی ماں تھی) کے گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتا اور اپنے باپ کے ساتھ کھیتوں میں جا کر چھوٹے چھوٹے کام سنبھالتا...... ابھی کاک جی کی عمر چھوٹی ہی تھی کہ یہاں پر اُس کے باپ کا بھی انتقال ہو گیا اور گھر میں صرف میرزہ پنڈت اور اُس کی ماں رہ گئیں۔ بچپن کا کچھ تھوڑا بہت وقت تو باپ کی موجودگی میں ذرا تسکین سے گذُارا۔ مگر قُدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اب گھر کی تمام ذمہ داری میرزہ پنڈت پر ہی آن پڑی۔ اپنی ماں کا بھی گھر میں ہاتھ بٹاتا اور دِن بھر کھیتی باڑی کے کام میں جُٹ جاتا۔ ہر طرف سے یاس و حسرت کا عالم۔ بے چارے کو پڑھنے لکھنے کا

یہاں ہی ان کا جنم منایا جاتا ہے اور ان کی برسی پر بھی یہاں ہی ایک بڑا بھاری میلہ لگتا ہے۔ اس آدھار پر اور بُزرگوں اور لوک کتھاؤں کی بنا پر بھی یہی ماننا پڑتا ہے کہ میرزہ کاک کی جنم بھومی ہانگل گنڈ ہی ہے۔

ہانگل گنڈ سرینگر کوکر ناگ روڈ پر اننت ناگ سے کوئی تیراہ میل دور اور کوکر ناک سے کوئی میل بھر نیچے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ یہاں ہندو اور مسلمان دونوں فرقوں کی آبادی ہے۔ ہانگل گنڈ نام کا کوئی گاؤں محکمہ مال کے کاغذوں میں درج نہیں ہے، البتہ یہ گاؤں ان کاغذوں میں بڈر حیات پورہ کے نام سے موسوم ہے۔ آخر اس چھوٹے گاؤں کا نام ہانگل گنڈ کیسے پڑا؟ اس بارے میں بھی بہت سی کتھائیں مشہور ہیں۔ مگر اصلی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں پر ہندوؤں کی ہنگلا دیوی کی مُتبرک ستھاپنا ہے۔ اسی دیوی کے نام پر اس کا نام ہنگلا گنڈ پڑا ہے جو کہ بعد میں بگڑ کر ہانگل گنڈ کہا جانے لگا۔

اسی ہانگل گنڈ میں لسہٓ پنڈت نامی ایک برہمن رہا کرتا تھا۔ اُس کے دو بیٹے اور کئی لڑکیاں تھیں۔ بڑے لڑکے کا نام بھولہٓ پنڈت اور چھوٹے کا نام میرزہ پنڈت تھا۔ یہی میرزہ پنڈت بعد میں میرزہ کاکٓ اور کاکٓ جی کے نام سے مشہور ہوئے۔ میرزہ کاک کا جنم پوہ شکلہ پنج اُکدوہ سموت 1805ء بکرمی میں ہوا ہے۔ آج کل بھی عام رواج کے مطابق اس مُبارک دِن پر ہانگل گنڈ کے تمام ہندو گھرانوں کا خاص زرد بھتہ (تہر) پکائی جاتی

بھگوتی کی کرپا

میرزہ پنڈت دِن بھر کھیتوں میں کام کرتا رہتا۔ کاشت کاری ہی آمدنی کا واحد ذریعہ تھا۔ اس کے پاس سوائے اس کام کے اور کوئی دوسرا دھندا تھا ہی نہیں۔ عمر بھی کوئی خاص زیادہ نہ تھی۔ کافی محنت اور مشقت کرنا پڑتی تھی۔ اس کی ماں روز اُس کے لئے دوپہر کا کھانا کھیتوں پر ہی لاتی۔ کھیت پر میرزہ پنڈت جہاں اپنے کام سے جی جان سے جُٹ جاتا وہاں دیوی کے چرنوں کا دھیان ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے دِل سے ہرگز نہیں چھوٹتا۔ دیوی کو بھی میرزہ پنڈت جیسے کم سِن بھگت پر نظرِ کرم کرنا ہی تھی۔ وہ بھی کیسے اِسکی اٹوٹ بھگتی سے متاثر نہ ہو جاتی! ایک روز میرزہ پنڈت کی ماں دوپہر کا کھانا کھیت پر لانا ہی بھُول گئی۔ اِدھر میرزہ پنڈت بھُوک سے نِڈھال ہو رہا تھا۔ سُورج کی تپش اور پھر کام بھی مشکل۔ تھکان اور بھُوک سے میرزہ پنڈت کا انگ انگ ٹُوٹ رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر ایک درخت کے چھاؤں تلے آرام کرنے کی غرض سے بیٹھا۔ دِل میں سوچ رہا تھا آخر کیا بات ہے کہ ماں آج کھانا لانا ہی بھول گئی ہے۔ وہ اسی خیال میں ڈوبا تھا کہ آنکھ جھپک میں بھگوتی اس کی ماں کا رُوپ دھارن کر کے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اُس کے ہاتھوں میں کھیر سے بھری ایک تھالی تھی۔ میرزہ پنڈت اس کو اپنی ہی ماں سمجھ کر کھیر

موقعہ ہی کہاں ملتا! پڑھنا لکھنا تو درکنار، گاؤں میں کسی کی دِلی ہمدردی بھی نہیں تھی۔ ہمدردی ہوتی بھی کِس کو؟ سب سمجھتے تھے کہ لڑکا تو ہے دوسرے گاؤں کا، اس لئے یہ ایک قدرتی بات تھی۔ بے چارا دِن بھر اکیلا کھیتوں میں کام کرتا، ہل جوتتا وغیرہ۔

اچھّن میں شری جگن ناتھ جی اور دیوی کا پوتر ستھان ہے۔ کسی طرح میرزہ پنڈت اس طرف کھینچ گیا اور سنسار میں کسی کو اپنا نہ پا کر ان کے ہی چرنوں میں سر جھکایا۔ دھیرے دھیرے بھگوان کو ہی اپنا سب کچھ جان کر دِن رات اسی دُھن میں لگا رہتا۔ ابھی عمر بھی چھوٹی تھی۔ دِل ابھی سنساری بندھن میں نہیں پھنسا تھا صرف ایک ماں تھی جس کے ساتھ اس کا یہاں پر لگاؤ تھا۔ کئی برس اسی طرح بیت گئے اور دھیرے دھیرے میرزہ پنڈت کو کچھ رُوحانی تسکین سا محسوس ہونے لگا۔ پربھُو بھگتی میں دِن دِن مکمل یقین اور نشچے بڑھتا گیا اور اس کو اپنے آبائی پیشہ زمین داری میں جُٹنے پر بھی بھگوان کا خیال دِل سے ایک لمحہ کے لئے بھی دُور نہ ہوتا۔ گاؤں کے لوگ اس کو ایک چھوٹے کسان لڑکے کے علاوہ اور کچھ نہ سمجھتے تھے۔ میرزہ پنڈت خُدا کی راہ میں جو بھی کام کرتا، پوشیدہ طور ہی کِیا کرتا۔ کسی کو اس کے اندرونی رُوحانی معاملات کا شُبہ تک نہ تھا۔ قُدرت بھی کسی اور انتظار میں تھی۔ میرزہ پنڈت کا یہ ایک آزمائشی اور اوّلین دور تھا۔ کھیتی باڑی میں جی جان سے جُٹ جاتا اور اپنی ماں کی خدمت بھی اٹوٹ سیوا بھاؤ سے کرتا۔

شرمندہ تھی۔ نزدیک جا کر وہ کافی منّت سماجت کرنے لگی۔ اور اپنی صفائی پیش کرنے لگی۔ آخر بیٹے نے کہا۔ "ماں میرا پیٹ بھرا ہے۔ آخر تُم جو ابھی ابھی کھیر کی تھالی لائی تھی۔ مجھے اب اور کھانے کو جی نہیں کر رہا ہے...... ماں قسمیں اُٹھانے لگی کہ میں تو پہلی بار آ رہی ہوں۔ اس سے پہلے تو میں یہاں آئی ہی نہیں۔ تُم کیا کہہ رہے ہو؟ "ماں کو اب پُورا شک گذرا کہ بیٹا بہت ناراض ہے اور دیر سے کھانا پہنچنے کے لئے مُجھ پر غصہ نِکال رہا ہے۔ وہ برابر قسمیں اُٹھاتی رہی کہ میں ہرگز نہیں آئی تھی۔ میرزہ پنڈت نے بھی دیوی کی سوگند کھا کر کہا کہ مجھے تو ابھی ابھی کسی نے کھیر کی تھالی اپنے ہاتھوں کھلائی ہے...... معاً اُسے خیال آیا کہ بھگوتی ہی میری ماں کا رُوپ دھارن کر کے آئی ہو گی...... اس خیال سے کہ ماں پر یہ بات آشکارا نہ ہو۔ جھٹ ہاتھ دھو کر ماں کا لایا ہوا کھانا کھا گیا اور چُپ چاپ کام میں پھر جُٹ گیا۔ ماں کو بھی تسلی ہوئی اور واپس گھر لوٹی۔ میرزہ پنڈت دِل ہی دِل میں بھگوتی کے سجدے کرتا رہا۔ یہ بھگوتی کی میرزہ پنڈت پر اوّلین نظرِ کرم تھی۔ اچھن میں اس وقت بھی ایک کھیت کا ٹکڑا "میرزن ہور" کے نام سے مشہور ہے۔

کھانے کی تیاری جو کرنے لگا تو بھگوتی کہنے لگی...... "بیٹا تُم بہت تھکے ہوئے ہو۔ آؤ میں ہی جلدی جلدی کِھلائے دیتی ہوں۔" میرزہ پنڈت بھی مان گیا۔ بھگوتی نے اپنے ہاتھوں سے کھیر اپنے پیارے اور سچے بھگت کو کِھلا دی۔ اور جھٹ انتر دھیان ہو گئی۔ کھیر کھا چکنے کے بعد میرزہ پنڈت پر ایک عجیب قسم کی حالت طاری ہو گئی۔ مانو اس کی آنکھوں کی بینائی پہلے سے تیز ہو گئی ہو۔ اُس کے چہرے کا جلال اور نِکھر آیا۔ اس پر ایک خاص قسم کی رُوحانی کیفیت طاری ہو گئی اور آج اُسے ماں کے پیار اور محبت میں پہلے سے کہیں زیادہ مِٹھاس دِکھائی دینے لگی۔ کھیر کی چاشنی اور مِٹھاس نے اس کا دماغ معطر بنا دیا۔ اس پر لطف یہ کہ میرزہ پنڈت کو یہ دھیان بھی نہ رہا کہ اس کی ماں کب اور کِس راستے سے چلی گئی۔ آخر بھگوتی اپنے سچے اور پیارے کم سِن بھگت کو بھُوک سے کراہتے کب تک دیکھتی رہتی! اُسے خود کِھلانے کے لئے آنا پڑا۔ میرزہ پنڈت کو اس کا بالکل بھی خیال نہ آیا۔ وُہ سمجھا کہ اُس کی اپنی ماں ہی کھانا لے کر آئی ہے۔

اس واقعہ کے کوئی گھنٹہ بھر بعد میرزہ پنڈت کی اصلی ماں کھیت پر کھانا لے کر آئی۔ دُور سے ہی اپنے بیٹے کو کھانا کھانے کے لئے پُکارنے لگی۔ میرزہ پنڈت کام میں مشغول تھا۔ ماں کے کئی بار بُلانے پر جب کچھ جواب نہ دیا تو اُس کی ماں سمجھ گئی کہ بیٹا روٹھ گیا ہے۔ وہ خُود

آگے ہی آگے بڑھتا رہا۔ اُس کی رُحانی طاقت بھی بڑھتی گئی۔ اور دھیرے دھیرے اُس کی پارسائی، ریاضت اور عظمت کا چرچا بھی پھیلتا گیا۔ ایک روز میرزہ پنڈت کھیتوں میں ہل جوت رہا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ گرمی بہت پڑ رہی تھی۔ کچھ تھکاوٹ اور کچھ سُورج کی تپش محسوس ہوئی۔ اور منڈھیر پر کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے بیٹھا۔ اتنے میں ایک کوا ہل کی مُوٹھ پر بیٹھا۔ بیل ہل کھینچتے گئے۔ موڑوں پر بیل خود مُڑ جاتے۔ کوا ہل پر بیٹھا رہا۔ میرزہ پنڈت آرام میں مست تھا۔ کچھ دیر بعد آنکھ کھولی تو کیا دیکھتا ہے کہ سارا کھیت جُت گیا ہے۔ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور کوے سے مخاطب ہوا اچھا بھئی اب جاؤ اب میں خود ہل سنبھالوں گا اور کوا اُڑ گیا۔ نزدیک میں کچھ لوگ یہ سب تماشا دیکھ رہے تھے۔ اُنھوں نے دانتوں میں اُنگلی دبائی۔ گاؤں میں آکر ہر ایک کو یہ کہانی سُنائی۔ اور سارے علاقے میں یہ بات آگ کی طرح پھیل گئی۔ اسی طرح سے اور بھی کئی ایسے ہی معجزے میرزہ پنڈت سے منسوب ہیں۔ اب میرزہ پنڈت میرزہ کاک کہا جانے لگا، لوگ اس کو کافی عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور دُور دُور سے لوگ اس کے درشن کو بھی آنے لگے۔

جہاں میرزہ کاک رُوحانی بلندیوں پر پرواز کرنے لگا وہاں اس میں حد درجے کی سادگی آتی رہی۔ لباس میں سادگی، تقریر میں سادگی اور کھانے پینے میں بھی سادگی۔ اس لئے کوئی عام آدمی اُس کو پہلی نظر میں

واپس بھائی کے پاس

بھگوان کی مرضی کچھ اور ہی تھی۔ وہ میرزہ پنڈت کو صحیح راستے پر لگانا اور دُنیاوی بندھنوں سے آزاد رکھنا چاہتا تھا۔ آخر کیا ہُوا کہ اُس کی ماں بھی دارِ فانی سے کوچ کر گئی۔ میرزہ پنڈت اچھن میں اب بالکل اکیلا رہ گیا۔ ناچار اچھن کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ کر ہانگل گنڈ اپنے بڑے بھائی کے پاس لوٹ آیا۔ بڑے بھائی بھولہ پنڈت نے کمال شفقت اور برادرانہ محبت سے گلے لگایا۔ گھر میں اس کی ہر طرح سے آرام و آسائش بہم پہنچانے کی کوش کی۔ چونکہ اُس کو یہ علم تھا ہی کہ اُس کا چھوٹا بھائی خُدا کی راہ کا راہی ہے۔ لہذا اُس نے میرزہ پنڈت کو گھر کی تمام تر ذمہ داریوں سے آزاد رکھا۔ مگر میرزہ پنڈت تو کام کرنا چاہتا تھا۔ بے کاری نام کی کوئی چیز اُس کے دماغ میں کبھی آئی ہی نہ تھی۔ وہ خُوب کام کرتا رہتا۔ گھر کا کام، کھیتی باڑی کا کام اور پھر رازداری سے ریاضت کا کام۔ الغرض میرزہ پنڈت لمحہ بھر بھی بیکار نہ بیٹھتا۔ رات کو بھی کم سوتا۔ کہتے ہیں کہ کٹھن تپسیا کے دِنوں میں وہ ساری رات جاگتا رہتا۔ گھر میں بہت سادگی سے رہتا اور باہر بھی کمال سادگی برتتا۔ تاکہ کسی کو اس کی رُوحانی عظمت کا پتہ نہ لگ جائے۔

دِن دِن بڑھتا گیا۔ میرزہ پنڈت بھی اپنے راستے پر گامزن

بیگار اور پھر بھگوتی

میرزہ کاک کی عمر بھی اب کافی تھی۔ رُوحانیت کے سمندر کا پُورا غوط زن تھا۔ دُور دُور تک اس کی مشہوری ہو گئی۔ اس کی بہت ہی عزت اور سیوا ہونے لگی۔ میرزہ کاک اب کامل سنت اور خُدا دوست مانا جانے لگا۔

اُن دنوں کشمیر میں بیگار کا رواج تھا۔ چونکہ لاری، موٹر اور تانگوں کا سلسلہ نہ تھا۔ دیہات سے چیزیں شہر (سرینگر) پہنچانی ہوتیں تو لوگوں سے بیگار لیا جاتا تھا۔حکومت اس علاقے سے چاول سرینگر لے جایا کرتی تھی۔ اس گاؤں سے بھی ایک ایک نفر کو دس ترک (تقریباًڈیڑھ من) چاول سرینگر پہنچانے ہوتے تھے۔ ہر گاؤں میں ایک ایک پٹھان بیگار آفیسر متعین تھا اور علاقے بھر کا ایک ہیڈ بیگار آفیسر ہوتا تھا۔ ایک روز پٹھان نے میرزہ کاک کے نام بھی پروانہ جاری کر دیا۔ لوگوں نے پٹھان افسر سے کافی منّت سماجت کی کہ میرزہ کاک کو اس بیگار سے بری کیا جائے۔ کیونکہ وہ خُدا دوست ہے۔ مگر پٹھان نے ایک نہ سُنی۔ آخر ایک روز پو پھٹنے سے پہلے ہی میرزہ کاک دس ترک چاول پیٹھ پر لادے سرینگر کی طرف چل پڑا۔ کوئی دس میل دُور اچھ بل کے نزدیک پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر میرزہ کاک بوجھ اُتار کر ایک طرف تھوڑی دیر کے لئے آرام کرنے کی غرض سے بیٹھا۔ اچانک اُس نے سامنے سے ایک نوجوان خوبصورت لڑکی اپنی طرف آتی ہوئی دیکھ لی۔ نزدیک بیٹھ کر

رُوحانی شخصیت سمجھ نہیں پاتا۔ میرزہ کاک روزانہ بِلا ناغہ پُوجا پاٹھ کیا کرتا۔ اپنے گھر میں ہی ایک چھوٹا سا کمرہ اسکے پوجا پاٹھ کے لئے مخصوص تھا۔ شردھا بھگتی تو اس میں اعلےٰ درجے کی تھی۔ اس کے ٹھاکُر دوار میں کسی کو اندر جانے کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی۔ کہتے ہیں ایک روز جب کہ میرزہ کاک پُوجا اور دھیان میں مگن تھا، اس کی بہن نے میرزہ کاک کو کچھ ضروری پیغام دینے کے لئے بے دھڑک ٹھاکُر دوار کا دروازہ کھولا تو کیا دیکھا کہ کمرے میں چاروں طرف نُور برس رہا ہے۔ مانو سُورج اس کمرے سے ہی چڑھ آیا ہے۔ ایک خوبصورت چوکی پر رام، لچھمن اور سیتا جی براجمان ہیں اور میرزہ کاک اِن کی آرتھی اُتار رہا ہے۔ اس کی بہن غش کھا کر اوندھے مُنہ ِگر پڑی۔ میرزہ کاک نے جھٹ دروازہ بند کر کے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ جب اُس کی بہن نے ہوش سنبھالا تو کیا دیکھا کہ چوکی پر ماسوائے چند سالِگراموں کے اور کچھ ہے ہی نہیں۔ میرزہ کاک سے پُوچھنے کی ہمت نا ہوئی کہ رام، لچھمن اور سیتا جی کہاں گئے۔ یہ بات بھی آناً فاناً چاروں طرف پھیل گئی۔

گورمُت پَل

اب میرزہ کاک "شاہِ عارفاں" بن کر کشمیر کے کونے کونے میں مشہور ہو گیا۔ لوگ جوق در جوق اس کے درشن کو آنے لگے۔ کچھ لوگ اپنی منتیں پُوری کروانے کے لئے آتے، کچھ اس کی رُوحانی کیفیت کا امتحان کرنے آتے۔ اور کچھ شِکھشا لینے آتے۔ ایک بار سرینگر کا ایک بڑا عالم میرزہ کاک کا امتحان کرنے کی غرض سے ہانگل گنڈ آیا۔ اگرچہ وہ بہت پڑھا لِکھا تھا اور اُس نے رُوحانی اور مذہبی کتابوں کا خُوب مطالعہ کیا تھا۔ مگر رُوحانیت نام کی کوئی چیز اُسے چھُو تک نہیں گئی تھی۔ ہاں اس کو اپنے عالم ہونے کا گھمنڈ ضرور تھا۔ اِدھر سے میرزہ کاک دُنیاوی نظروں میں اگرچہ اَن پڑھ تھا۔ مگر رُوحانیت کے سمندر کا غوط زن تھا۔ رواج کے مطابق وہ سرینگر سے کوئی سیر بھر بادام بھی خرید لایا تھا۔ کیونکہ سنت یا خُدا دوست کے پاس خالی ہاتھ جانا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ میرزہ کاک اپنے آسن پر بیٹھا تھا۔ کمرے میں باہر سے آئے اور بھی بہت سے آدمی میرزہ کاک کی گوہر افشانی سے فیض یاب ہو رہے تھے۔ یکا یک نَو وارد نے باداموں کو پوٹلی میرزہ کاک کے سامنے رکھ دی اور خود ایک طرف بیٹھ گیا۔ میرزہ کاک نے باداموں کو ہاتھ نہ لگایا۔ نَووارد پر سر سے پیر تک ایک نظر ڈالی، اور اچانک پُوچھا : آپ سرینگر سے آئے ہوں گے؟ "جی

لڑکی نے پُوچھا۔ "بب (بابا) بیگار پر کِس نے لگایا ہے۔ آؤ میں یہ چاول سرینگر پہنچائے دیتی ہوں؟" میرزہ کاک جھٹ بھانپ گیا کہ لڑکی تو بھگوتی کا اوتار ہے۔ من سے ہی پرنام کر کے بولا۔ "دیوی مجھے تو سرینگر گھاٹ سے اپنے نام کی رسید لاکر پٹھان افسر کو پیش کرنی ہے"۔ لڑکی نے ایک رسید میرزہ کاک کو پکڑا کر کہا "یہ لو رسید اپنے نام کی اور جاؤ واپس۔" اتنا کہہ کر لڑکی بھی غائب ہوئی اور چاولوں کی بوری بھی۔ میرزہ کاک رسید لیکر واپس لوٹا۔ اور دوپہر سے پہلے ہی ہانگل گنڈ واپس پہنچا۔ گاؤں والے سرینگر گھاٹ کی میرزہ کاک کے نام کی اُسی تاریخ کی رسید دیکھ کر ششدر و حیران رہ گئے اور میرزہ کاک کے پیروں پڑے۔ پٹھان کے پاس جب رسید پہنچائی گئی وہ آگ بگولا ہو کر کہنے لگا کہ یہ کوئی جادُوگر ہے۔ اس نے علاقے کے ہیڈ کو اطلاع دی۔ پُوچھ تاچھ کی گئی اور سرینگر گھاٹ کے ریکاڈ سے اس رسید کو مِلایا گیا۔ اُسی تاریخ کو میرزہ کاک کے نام سے دس ترک چاول گھاٹ میں داخل ہوئے تھے۔ پٹھان افسر شرمندہ ہوا اور اپنے روّیہ پر بیزار ہو کر میرزہ کاک سے معافی مانگ لی۔ اعلیٰ حاکموں تک بھی یہ خبر پہنچی اور میرزہ کاک کو "شاہِ عارفاں" کا لقب دیا گیا۔ حکومت نے پھر میرزہ کاک کے نام کافی آراضی بطور وظیفہ مقرر کی۔ یہاں یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہانگل گُنڈ کے بیسوں گھرانے عوامی حکومت میں خاتمہ چک داری کے نفاذ ہونے تک اس "دھرم ارتھ" سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔ یہ "دھرم ارتھ" پُشت در پُشت منتقل ہوتا چلا آرہا تھا۔

نَووارد جس جس بادام کو توڑتا گیا اُس میں سے دو دو گرِیاں نِکل آئیں۔ ایک بھی بادام خالی نہ نِکلا۔ حاضرین بھی حیران وششدر اور نَووارد خود بھی۔ وُہ اُٹھا اور میرزہ کاک کے چرنوں میں پڑا۔ خُوب رویا اور اپنی پشیمانی ظاہر کر کے معافی مانگنے لگا۔ ایسے کتابی عالموں کے بارے میں میرزہ کاک نے کہا ہے

پۆرمُت گوگۆرمُت پلی　　　نہ زِہ حرکت نہ زِہ حرکتی

یعنی پڑھا لِکھا (کتابی عالم) ایک اچھے تراشے ہوئے بڑے پتھر کی مانند ہے۔ جو نہ خُود حرکت کر سکے اور نہ دوسروں کو ہلا سکے۔ یعنی پڑھا لِکھا کتابی گیان والا تو دیکھنے میں بہت ہی خوبصورت معلوم ہوتا ہے مگر نہ اُس نے خود کچھ حاصِل کیا ہوتا ہے نہ کسی دوسرے کو وہ مائل بہ رُوحانیت کرا سکتا ہے۔

مہاراج!" نَووارد نے جواب دِیا۔ "یہ بادام بھی اپنے ساتھ شہر سے لائے ہیں؟ "جی مہاراج!" نَووارد نے جواب دِیا۔ "آیئے اپنے ہاتھ سے ان کی گرِیاں نکال کر پرشاد سبھوں میں بانٹ دیجئے! میرزہ کاک نے کہا۔

"بہت اچھا مہاراج جیسا حُکم ہو۔ "نَووارد جواب دے کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اتنی دیر میں میرزہ کاک نے باداموں کے پُورے دو حصے کر لئے۔ ایک حصہ اپنی طرف رکھا اور دوسرا حصہ نَووارد کے لئے رکھ کر اُسے کہا کہ یہ آپ رکھ لیجئے اور اپنی ڈھیری میں سے گرِیاں نِکال کر حاضرین میں بھی بانٹ دیجئے۔

نَووارد ایک ایک بادام توڑتا رہا۔ مگر کسی میں سے گرِی نہ نِکلی۔ سب کے سب خالی نِکلے۔ وہ بہت شرمندہ ہوا۔ اور سر جھکا کر خاموش رہا۔

میرزہ کاک نے افسوس کا اظہار کر کے نَووارد سے کہا۔ " کہاں سے لائے یہ بادام۔ یہ کِس نے دھوکا دِیا ہے؟ بادام خریدتے وقت کیا سوچ رہے تھے۔ باہر دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں، مگر اندر سے کھوکھلا پن۔"

نَووارد کی پیروں تلے زمین جیسے کھسِک رہی تھی۔ وہ پسینہ پسینہ ہوا تھا۔ مگر کیا کرتا، زبان سے اُف تک نہ کی۔ آخر میرزہ کاک نے کہا......

"ذرا ان کو بھی تو توڑ ڈالو۔"

گانگل

کاک جیؔ حبہ کدلؔ سرینگر کے کسی بھگت کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک دِن کنہ کدلؔ کے ایک اور بھگت نے، جو کہ سرکاری خزانے میں اعلیٰ مُلازم تھا، منت سماجت کر کے اپنے ہاں لینے پر کاکؔ جی کو رضا مند کیا۔ بھگت کافی امیر تھا۔ نوکر چاکر بھی خُوب تھے، اس لئے کافی انتظام کیا۔ پہرے داروں کا انتظام رکھا گیا۔ اچھے اچھے پکوان پکنے لگے۔ کافی آرائش و آسائش میسر کی گئی۔ پروگرام یہ تھا کہ بھگت جی خود کاک جی کو لینے کے لئے جائیں گے۔ ڈیوڑھی پر پہرے دار رکھے گئے اور اُن کو ہدایت کی گئی کہ کسی بھی آدمی کو اندر نہ چھوڑا جائے۔ جب تک کہ سب سے پہلے کاک جی اندر نہ داخل ہوں۔ بھگت جی انتظام میں مشغول تھے۔

اِدھر کاک جی حبہ کدل والوں سے بار بار پُوچھتے رہے کہ کب کنہِ کدل جانا ہے۔ آخر کاک جی اُٹھ کھڑے ہوئے اور اکیلے کنہ کدل کے بھگت کے گھر گئے۔ کاک جی چونکہ سادہ لباس میں ملبوس تھے، ڈیوڑھی پر موجود پہرے داروں نے کاک جی کو پہنچانا ہی نہیں کہ اسی شخص کے لئے اتنا انتظام ہو رہا ہے۔ انھوں نے کاک جی کو روکا اور اندر جانے نہیں دیا۔ کاک جی نے سیدھی سادی زبان میں پُوچھا۔ "اندر کیا ہو رہا ہے؟" پہرے داروں نے جواب دیا۔ "وہاں اُن کے کچھ گانگل ہے (کشمیری میں گانگل پریشانی اور مصروفیت کو

یہاں بھی اور وہاں بھی!

ایک بار سرینگر کے کچھ آدمی میرزہ کاک کا درشن کرنے کے لئے ہانگل گنڈ آئے۔ وہ میرزہ کاک کے بھگت تھے۔ اُس کو سرینگر لے جانے کے لئے ہی آئے تھے۔

میرزہ کاک کے پاس پہنچنے پر ان کی خاطر تواضع چائے سے ہی شروع ہوئی۔ ان بھگتوں کا میرزہ کاک پر مکمل یقین تھا۔ چائے تیار ہوئی ۔ پیالے بانٹے گئے۔ تو ان میں سے کسی نے کہا۔ کہاں وہ بٹہ یار کے کُلچے؟" میرزہ کاک نے یہ شبد سُن تو لئے مگر کہا کچھ نہیں۔ لمحہ بھر دھیان دے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور باہر آگئے۔ اتنی دیر چائے بھی بانٹی نہیں گئی۔ جب تھوڑی دیر بعد واپس لوٹے تو اپنے ہاتھوں ہر ایک کو ایک ایک گرم کُلچہ پکڑا دیا۔ اور پھر بیٹھے خُود چائے پینے۔ شہری بہت حیران ہو گئے۔ کُلچے واقعی بٹہ یار والے نانوائی کے ہی تھے۔ دوسرے دِن بھگتوں نے میرزہ کاک کو بہت منت سماجت کر کے سرینگر آنے پر رضامند کر دیا۔ بٹہ یار والے نانوائی کے ہاں سے جب گذُرے تو نانوائی دُکان سے باہر نکل آیا اور میرزہ کاک کو پرنام کر کے بولا...... "بھگوان! آپ کل بہت جلدی میں تھے۔ دو سیکنڈ بھی یہاں نہیں رُکے۔" ساتھی بھگت نانبائی کی باتیں سُن کر اور بھی حیرت میں ڈوب گئے کہ بھگوان تو کل ہانگل گنڈ میں تھے، یہاں کیسے آئے اور کب آئے!

میرزہ کاک کی رُوحانی عظمت تو اس درجے تک پہنچ چکی تھی کہ وہ ایک ہی وقت میں ایک جگہ بھی ہوتے اور دوسری جگہ بھی۔ میرزہ کاک اب کاک جی کے نام سے بھی مشہور ہوا۔

بگہ ڈجی

کاکؔ جی ہانگل گنڈ میں تھے۔ کئی شاگرد، چیلے اور بھگت سامنے بیٹھے گیان سُن رہے تھے۔ یکایک کاکؔ جی دھیان مگن ہوئے اور اُونچی آواز میں کہنے لگے۔ "تراہی۔ تراہی۔ تراہی!" حاضرین خاموش ہو گئے۔ کاکؔ جی سبھوں سے کہنے لگے۔ اُٹھو، جلدی اُٹھو۔ رعناواریؔ جانا ہے۔ ایک بھگتی کا انتم سنسکار کرنا ہے۔ "سُننے والے حیران ہو گئے کہ کاکؔ جی کیا کہہ رہے ہیں۔ وضاحت پوچھنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ سب تیار ہو گئے اور سرینگر کے لئے چل پڑے۔

رعناواریؔ میں ایک محلّہ ہے بگہ ڈجیؔ۔ اس کے اصلی معنی ہیں فحش عورت جو گرِی ہوئی ہو۔ اسی فحش عورت کے نام پر اس محلے کا نام اب تک بگہ ڈجی چلا آرہا ہے۔ کہتے ہیں یہاں ایک عورت تھی جو فاحشہ تھی۔ عمر بھر وہ بدچلن رہی۔ اُس کا گھر میں اور کوئی بھی نہ تھا۔ وہ اکیلی تھی۔ زندگی کے آخری ایاّم میں وہ اپنے کِئے پر پچھتاوا کر کے پرائسچت کر بیٹھی اور پاک زندگی بسر کرنے لگی۔ مگر پھر بھی اس کے گھر میں کوئی بھی آتا جاتا نہ تھا۔ سماج سے نِکالی گئی عورت تھی۔ اگرچہ اس نے خُوب پچھتاوا کِیا۔ پھر بھی ہر ایک اُس کو بُری نِگاہ سے دیکھتا تھا۔ آخر وہ ایک روز اس گھر میں اکیلی دم توڑ گئی۔ اس کا انتم سنسکار کرنے والا بھی کوئی نہ تھا اور

کہتے ہیں) کاک جی "گانگل"، "گانگل" لفظ بولتے واپس حبہ کدل پہنچے اور وہاں بھی کہنے لگے کہ کنہ کدل والوں کو کچھ "گانگل" ہے۔ عین اُسی وقت خزانے میں حساب میں کچھ ہیرا پھیری ہوئی۔ حساب میں کئی ہزار روپے کی نقدی کم ہو رہی تھی۔ بھگت جی خزانے کا اعلیٰ ذمہ وار مُلازم تھا۔ پولیس اس کے گھر آئی اور اُسے ہتھکڑی ڈال کر لے گئے۔ گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ اتنی دیر حبہ کدل والے یہاں آگئے اور سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ اب صرف کاک جی کو منوانے اور رِجھانے کے لئے سوچ بچار ہوتا رہا۔ کسی بھی طرح سے کاک جی ان کے ہاں دوبارہ آنے پر رضامند نہ ہوا۔ آخر شام کے وقت کسی کو عجیب حرکت سُوجھی۔ باداموں اور نبات سے بھرا تھال کاک جی کے پاس لیا گیا۔ کاک جی نے پُوچھا۔ "یہ کہاں سے آیا ہے؟" کسی نے جواب دیا۔ "کنہ کدل والے بھگت نے بھیج دیا ہے۔" کاک جی نے پھر کہا۔ "اُن کو جو گانگل تھی، کیا اب وُہ دُور ہو گئی؟" حاضرین نے یک زبان ہو کر کہا۔ "ہاں" کاک جی کہا۔ "پھر تو وہاں اب جانا ہی چاہیئے۔" بالکل اُسی وقت خزانے کا حساب پُورا آ رہا تھا۔ جو رقم گھٹ رہی تھی وہ پُوری ہو رہی تھی۔ حساب کا فرق نِکل آیا اور بھگت جی کو رہا کیا گیا۔ اُدھر سے بھگت جی بھی آ رہا تھا۔ اِدھر سے کاک جی اپنے چیلوں، بھگتوں اور عقیدت مندوں کے سمیت بھگت کے گھر میں داخل ہو رہے تھے۔ بھگت جی اور اس کے گھر کے سارے افراد ایک ایک کر کے اس کے پیروں پر پڑے۔ اس طرح سے اس گھر کی گانگل دُور ہو گئی۔

رامانند بھی آیا!

موجودہ برارؔی آنگن جس کا اصلی نام اُوؔما نگری ہے، میں کاک جی کے ہم عصر ایک بہت بڑے سادھو رہا کرتے ہیں۔ سادھو باکمال خُدا دوست تھا۔ اس کا نام تھا رامانؔند۔ رامانؔند ایک سِدھ پُرش تھا۔ اُس کے انیکوں شِشہ تھے۔ اُمانگرؔی میں اُن دِنوں ایک بہت بڑا مٹھ تھا۔ اور رامانند اُس مٹھ کے مٹھ داری تھے۔

جب کاک جی دِن بدن بہت مشہور ہوتے گئے تو ایک بار رامانؔند کو بھی ان کے پاس آکر رُوحانی بحث و مباحثہ کرنے کا شوق ہوا۔ اور ساتھ ہی وہ کاکؔ جی کا امتحان بھی لینا چاہتے تھے۔ چونکہ رامانؔند کے اَن گنت چیلے تھے تو کئی گھوڑ سوار چیلے لے کر رامانؔند کاک جی کے پاس آیا۔ بڑی سبھا ہوئی۔ شاستر ارتھ (رُوحانی بحث و مباحثہ) کا انتظام کیا گیا۔ مگر اس سے پہلے چائے نوشی کا انتظام ہوا۔ چونکہ رامانند کاک جی کے مہمان تھے، اس لئے کاک جی نے ہی انتظام کروانا چاہا۔ مگر رامانند بضد رہا اور اپنے چیلوں کو حُکم دیا کہ فی الفور چائے کا انتظام کیا جاوئے۔ چائے تیار ہو گئی۔ پیالے بانٹے گئے اور ایک چیلا سماوار لے کر پیالوں میں چائے ڈالنے لگا۔ کاک جی نے پیالہ تو پکڑ لیا مگر خود پہلے نہ لے کر مہمانوں سے چائے بانٹنی شروِع کروائی۔ جُوں ہی چیلا سماوار میں

نہ ہی کوئی اس گھر میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ لاش پڑی رہی۔ بالکل اُسی وقت کاک جی نے دھیان لگایا تھا اور ہانگل گنڈ میں بیٹھے بیٹھے "تراہی تراہی" کرنے لگا تھا۔

کاک جی دوسرے دِن رعناواری پہنچا۔ جس گلی سے کاک جی جا گذُرے عقیدت مندوں کا ہجوم اُمڈ پڑا۔ کسی کو کچھ کہے بغیر اس عورت کے گھر میں گھُس گیا۔ ہجوم کو بھی مکان میں گھُسنا پڑا۔ اور آناً فاناً عورت کا انتم سنسکار انجام لانے کا انتظام کیا گیا۔ اور تب تک کاک جی واپس نہ لوٹے جب تک کہ نہ پُوری شان سے "بگہ ڈجی" کا شریر سُپر دِ آگ نہ کیا گیا۔

یہ کاک جی کی انتر درشٹی کی واقعی ایک بڑی بھاری مِثال ہے!

للّی ایشوری کے درشن

کہتے ہیں کاک جی ایک بار اپنے شِشوں کو للہ دید کے واکھ سُنا رہے تھے۔ اور تشریح بھی ساتھ ساتھ کرتے جاتے تھے۔ کسی جگہ پر ایک واکھ کے مفہوم کو پُوری طرح واضح نہ کر پائے تو للّی ایشوری کا دھیان کرتے ہی کیا دیکھتا ہے کہ للّی ایشوری ایک خوبصورت لڑکی کے رُوپ میں دوڑتی آئی اور کاک جی کی گود میں بیٹھ گئی۔ کاک جی کی وانی کھُل گئی اور وہ اپنے کام میں پھر مصروف ہو گئے۔ مگر لڑکی نے بار بار کاک جی کے کنٹوپ کو اُس کے سر سے ہٹانا چاہا۔ مگر کاک جی نے اپنی پُوری طاقت سے اس کنٹوپ کو سر کے ساتھ چمٹائے رکھا۔ لڑکی پھر جلدی ہی غائب ہو گئی۔ یہ للّی ایشوری ہی لڑکی کا اوتار دھارن کر کے آئی تھی اور کاک جی کو چولا اُتار پھینکنے کے لئے اپنی طرح میں مستانہ وار پھرنے گھُومنے کو کہہ رہی تھی۔ اسی لئے اُس کے کنٹوپ کو ہٹانا چاہتی تھی۔ کاک جی نے جھٹ سمجھ لیا کہ یہ لڑکی تو لل دید ہے اور مجھے ایسا کہتی ہے مگر کاک جی گرہستیوں کے ساتھ رہ کر ہی اپنا کلیان اور دوسروں کا کلیان اور رہبری کرنا چاہتا تھا۔ کہتے ہیں اسی روز سے کاک جی کی وانی کھُل گئی۔ وہ کہتے جاتے اور شِشیہ لکھتے جاتے!

سے چائے ڈالنے لگا تو چائے ندارد۔ سبھا میں حیرانی چھا گئی کہ آخر یہ کیا معاملہ ہے۔ رامانند بہت شرمندہ ہوا۔ آخر کیا کر سکتا تھا دیگچے میں بھی دیکھا تو وہ خالی۔ الغرض کاکؔ جی نے اپنے ایک چیلے کو چائے تیار کرنے کو کہا۔ کاکؔ جی کے پاس ایک چھوٹا سا سماوار تھا جس میں بمشکل تین پیالے پانی سما سکتے تھے۔ وہ سماوار اب بھی ہانگل گنڈ میں موجود ہے۔ چائے تیار ہو گئی اور اس سماوار میں سے اتنی چائے نِکلتی رہی کہ سب مہمان اور ایرے غیرے چائے نوشی سے لُطف اندوز ہوئے۔ رامانندؔ کاک جی کی یہ کرامات دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا۔ اور اُس کی رُوحانی عظمت کا قائل ہو گیا۔

(یادِ الٰہی) میں مشغول رہنا ہی ریاضت ہے۔ اس بارے میں کاک جی کا ایک واکھیہ ملاحظ ہو

شہِ نفس گو اکھ پرانی — شیٹھ پران گیہِ گری
شیٹھ گرِہ دوہ بتہِ راتھ — بجھن نام رامہ رائے

(یعنی) چھ نفس ایک پران ہے۔ سٹھ پران ایک گھڑی اور ساٹھ گھڑی دِن اور رات ہے۔ اسلئے (دِن رات) رام کا نام جپنا چاہیے۔

کاردار یہ جواب سُن کر بہت حیران ہوا۔ میرزہ کاکؔ کاردار کی بہت سیوا کرتا رہا اور ان کو اپنا گورو (مُرشد) تسلیم کیا۔ اگرچہ کاردار میرزہ کاک کی رُوحانی عظمت کا قائل پہلے ہی ہوا تھا۔ پھر بھی حسب ارشاد بھگوتی میرزہ کاک کو اپنے حلقہ شاگردی میں شامل کر ہی لیا۔ اس طرح سے گورو دھارن کرنے کی دُنیاوی روایت قائم رہی۔

گورو دیکھشا (ارشادِ مُرشد)

کاکؔ جی ایک سِدھ پُرش (کامِل انسان) تھے۔ بھگوتی کی کرپا اور للّیؔ ایشوری کے ایک لڑکی رُوپ میں درشن ہی سے ان کو رُوحانی ارشاد حاصل ہوا تھا۔ اب دُنیاوی مرشد کی چنداں ضرورت بھی نہیں تھی۔ پھر بھی رُوحانی روایات کو برقرار رکھنے کے لئے ایک دُنیاوی مرشد (گورُو) کا فیض حاصل کرنا ناگریز تھا۔ اس بارے میں بھی کئی روایات ہیں۔ مختصراً سرینگر کے ایک کاردار (پٹھانوں کے وقت میں علاقائی حاکم جو زرعی پیداوار کی دیکھ بھال اور حساب و کتاب رکھنے پر مامور ہُوا کرتے تھے) کو شری شارِکا دیوی سے ارشاد ہوا کہ وہ ہانگل گنڈ جا کر میرزہ کاک کو گور دیکھشا (رُوحانی ارشاد سے فیض یاب کرے۔ کاردار ہانگل گنڈ پہنچا اور کسی طرح میرزہ کاک ان کی سیوا (خدمت) میں لگ گیا۔ ان کے پاس میرزہ کاک کو رات بھر گھاس کی رسیاں بٹتے دیکھا گیا۔ ایک رات کاردار کے پُوچھنے پر میرزہ کاک نے جواب دِیا کہ میرے پاس روزانہ 21,600 گھاس کے تنکے ہوتے ہیں۔ ان ہی گھاس کے تِنکوں کو ایک ایک گِن کر رسی بٹنا ہوتی ہے۔ جب تک یہ پُورے نہ ہوں، کام پُورا نہیں ہوتا۔ دراصل یہاں پر اس کا مطلب ریاضت سے تھا۔ یعنی دِن رات 21,600 نفس (پران) ایک انسان اندر لیتا اور چھوڑتا ہے۔ اسی کے ساتھ نام سُمرن

از کمالِ اختیاری مکُت گفُت ہاتف بلے
چِت بچیتن لین و واصل پرم آنندش مکان

(1891 بکرمی)

کاک جی کے شریر تیاگ کے بعد ہر برس اس دِن ہانگل گنڈ میں ایک بڑا بھاری یگیہ رچایا جاتا رہا۔ اور اب بھی ہر گھر میں انفرادی طور کھیر وغیرہ پکائی جا کر پرشاد بانٹا جاتا ہے اور ایک گھر میں نیم پوروک ہون رچایا جاتا ہے۔ کاک جی کی سمادھی پر خُوب میلہ لگتا ہے۔ کاک جی کے معتقد اور شردھالو لوگ دُور دُور سے اس شُبھ دِن پر یہاں آکر اپنی عقیدت کے پھُول بھینٹ کرتے ہیں۔ کاک جی کے ذاتی استعمال کی چند ایک چیزیں اب بھی ہانگل گنڈ میں چند گھرانوں میں محفوظ ہیں۔ ان میں اُن کا کنٹوپ، کھڑاوٗں، چھڑی، سماوار، کھوس اور ایک گڈوی شامل ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہاں کاک جی کے نام پر ایک یادگاری ٹرسٹ قائم کیا جاتا جہاں پر انکی قیمتی یادگاری اشیا محفوظ رہتیں اور ان کی سمادھی کی دیکھ ریکھ اس ٹرسٹ کے ذمہ رہتی۔

شریر تیاگ (انتقال)

کاک جی کے بڑے بھائی بھولہ پنڈت ایک گرہستی تھے۔ اُن کے کئی لڑکے لڑکیاں تھیں۔ کاک جی بال برہمچاری تھے۔ اُن کے شریر تیاگنے کا سمے بھی آن پہنچا۔آخر ایک روز کاک جی نے بھولہ پنڈت کو اپنے پاس بُلوا کر کہا کہ اب میرے اس سنسار سے رُخصت ہونے کا وقت آیا ہے۔ اس میں کچھ دُکھ نہ منانا۔ اور نہ کسی قسم کا فضول آڈمبر رچانا۔ بھولہ پنڈت نے کہا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ بڑا تو میں ہوں اس لئے مجھے ہی پہلے جانا چاہیے۔ اس پر کاک/جی نے کہا۔ وہ تو سچ ہے مگر آپ پر تو گرہستھ کی کافی ذمہ واری ہے اس لئے مجھے ہی پہلے آگیا دیجئے۔ الغرض جیٹھ کرشنہ پنچ دُوتیا کے دِن چھیاسی برس کی عمر میں کاک جی نے سنان دھیان، پُوجا پاٹھ اور نتیہ نیم سے فارغ ہو کر رام کا نام جپتے درب آسن پر بیٹھ کر اپنی آتما کو پرماتما کے ساتھ لین کر دیا۔ اس بارے میں فارسی کے دو شعر ملتے ہیں۔

چوں زِ گُلگشت جہاں آرام جُست آں جانِ جاں
کاک مرزا شاہِ عرفان گامزد بر لا مکاں
یومِ شنبہ روزِ دُوی در کرشنہ پنچ ہنگامِ جیٹھ
درسنِ ہشتا دوشش فرمودہ اند انتر دھیان

یہاں پر ہم مُشتے نمونے از خرواری کے طور پر چند بھنگوں کے کچھ واکھیہ کلام) پڑھنے والوں کی واقفیت کے لئے درج کرتے ہیں۔

بھجن نام رامہ رامے

پرنَو گوٚعینِ سہِ گُن
گو نہ ست رُودنہ منظور
اتییت گُن اوم پُرش
بھجن نام رامہ رامے
عُمر تیر تہ کتھ گوٚدہِ نیرِتھ
یم ترِنُوے بن نہ پھیرِتھ
روزُن گژھہ بڑونٹھ سُرِتھ
بھجن نام رامہ رامے
بھکتِس ہوٚے چھُ ژھاران
بلکہ تُورِ پتہ لاران
لچھِ منّزہ تس چھُ گاران
بھجن نام رامہ رامے

☆

رامہ رامہ ربہ پربہ جی

کرم شیرِ تے یُوگ جُغرات ساده سنگ تھن مندہ سی
گیان گیوئی مُشک وِگیان
رامہ رامہ ربہ پربہ جی
پاٹھی پران پالُن متھم
لیکھان لیکھان رُوٹھُم دِل
ذکرِہ ستی صاحب تُوٹھم
رامہ رامہ ربہ پربہ جی

☆

زان اِیشر پرمہ اِیشر سُوی سُوی

پُز ایشر، پزِہ پُز پرمیشرئی
پُز گیان پزِہ پُز وِگیان سُوی
پُز ناوئی پزِہ پُز بند سُوی
زان اِیشر پرمہ اِیشر سُوی سُوی
دِتہ تاجی رازِ زنگھ سأکھی
کرتہ بھکتی بھکتہ پرہلاد سأکھی
کرتہِ گرہستھ سودِہ وون چھے سأکھی
زان ایشر پرمہ ایشر سُے سُے

☆

واکھیہ (منظوم کلام)

کہنے کو تو کاک جی اَن پڑھ تھے مگر رُوحانیت کی بلندی کے لحاظ سے کاک جی نے سب کچھ ایک گھونٹ میں پی لیا تھا۔ اُن کے واکھیہ تو اُن کی رُوحانی عظمت کے آئینہ دار ہیں۔ ویدوں، اُپنشدوں اور شاستروں کا لُبِ لباب اور نچوڑ اُن کے واکھیوں میں بھرا پڑا ہے۔ اُن کی بھاشا مِلی جُلی ہے۔ اُن کے کلام میں کشمیری کے علاوہ عربی، فارسی اور سنسکرت کے الفاظ بکثرت ملتے ہیں۔ اُن کے چیلوں، شِشوں اور معتقدوں میں ہندو اور مُسلمان دونوں شامل ہیں۔ جو کچھ وہ زبان سے کہتے گئے اُن کے شِشیہ ان کو نوٹ کرتے گئے۔ اُن کا کلام فارسی رسمِ الخط میں مِلتا ہے۔ کئی واکھیہ تو ایسے لگتے ہیں کہ وہ بالکل کسی وید کی رِچا کا یا کسی اُپنشد کے سُوتر کا ہُو بہو ترجمہ ہے اور ایسا لگتا ہے کہ کاک جی ان ویدوں، اُپنشدوں وغیرہ کے عالم تھے۔ ویسے تو تھے بھی رُوحانی بلندی کے لحاظ سے۔ جب رُوحانیت کا نُور اندر سے چمک اُٹھتا ہے تو اَن پڑھ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ کاک جی کے واکھیوں میں ایک جگہ مِلتا ہے

اوم گو کمانی　　زِیوی زان تیری
نشانہ برہمی　　بجھن نام رامہ رامے

اس کے مقابلے میں سنسکرت کا ایک شلوک مِلتا ہے

پرنوو دھنو۔ کھِرو ہیہ آتما　　برہم تت لکھیم اُچتے

List of Published & Un-Published Works of Amar-Shaheed Sarwanand Kaul Premi

PUBLISHED BOOKS

1.	Kalami Premi	Kashmiri
2.	Payami Premi	-do-
3.	Rood Jeri	-do-
4.	Osh ta Vush	-do-
5.	Gitanjali (Translations)	-do-
6.	Russi Padshah Katha	-do-
7.	Panctchadar (poetic collections)	-do-
8.	Bakhti Koosum	-do-
9.	Akhri Mulaqat	-do-
10.	Mathur Devi	-do-
11.	Mirza Kak (life & works)	Urdu
12.	Mirza Kak Ji Walkhs	-do-
13.	Kashmiri ki beeti	-do-
14.	Bagwat Gita (Translations0	-do-
15.	Taj	-do-
16.	Rupa Bawani	-do-
17.	Roopa Bawani	Hindi

UN-PUBLISHED

1.	Bagwat Gita ji (Translations)	Kashmiri
2.	Ramayana	-do-
3.	Kehn Dharmik Kathyen	-do-
4.	Bhakhti Qusam	-do-
5.	Walkh hia premi	-do-
6.	Pushkin Sanza nazma	-do-
7.	Araadhana	-do-
8.	Aalath	-do-
9.	Laleshwari	-do-
10.	Madushala	-do-
11.	Suruhas kun	-do-
12.	My Holy Father	English
13.	Tears of love & joy	-do-
14.	Spiritual Doses	-do-
15.	Uterances of Premi	-do-
16.	Mirza kak ji	Urdu
17.	Hamara Mahjoor	-do-
18.	Parmarth Shatak	Hindi

تیؤتھ ور مہِ دِتم دِیو

بُو مہ ژُویوک بُوے سادا تمِس تورَے لویُت نادا
تمئو پوتِلن گری سِیوا تیؤتھ ور مہِ دِتم دِیو
ہرِ ہ ژند رازس اوس پوزوئی تمُ تور گَن ناموش نیؤے
گوھتھ رُودُم کاوُج گرے تیؤتھ ور مےٓ دِتم دِیو



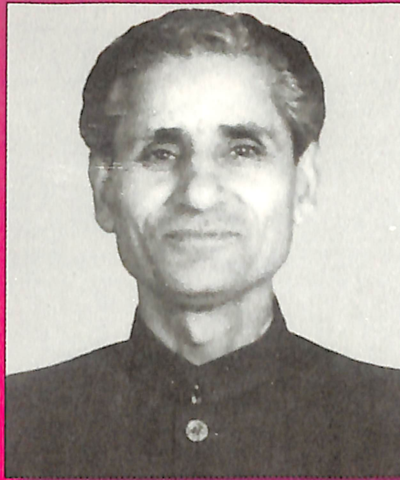
رُمہ ریشُن آے

حضرت آدم برہماہس نِشے سأری دراے
کینْہہ ذات اصل، کینْہہ کم ذاتی، تم کس زاے
بیول شبدہ، بڑہم گنُے چھے، بستھ کیاہ سنہ چھ ژھاے
ہُشانت زِیوو ژٕ شانت رُمہ ریشُن آے
ییم ستہ رِیشی، تم کس ماجے گبر زاے
مأج چھِ کمینہ تم کمہِ لخنہِ اصل زاے
آژأرِ گوم بڑ ہماس نِشے ستگ نیاے
ہُشانت زِیوو ژٕ شانت رُمہِ ریشُن آے

یاربا

کتہِ ژھانڈتھ، کتہِ گارتھ یا ربا
چھُکھ زنگم کنہِ تھاور یا ربا
گرم وینتھا راتھ دوہے بنت سدا
سُے بیدار یُس چھِ زأنی یا ربا
چھُم الف اللہ بے پردا خود خُدا
سُے سورَے اللہ رُوزِتھ یا ربا
بٹہِ دِیور مُسلمانی گفت مشید
مشدِہ نماز، پوُ ز دِیور یا ربا





SHRI SARWANAND KAUL PREMI was a recognized Freedom-Fighter and a reputed philanthropist. He was an ardent Gandhian, an eminent scholar and a dedicated social worker. He was well known for his literary and cultural-work for promotion of communal amity, harmony and brother-hood in Kashmir. He was a well known poet, journalist and reputed author. He authored more than 24 books and has left many manuscripts behind him. Translations of Srimad Bhagwat Gita, Ramayan, Tagore's world famous Gitanjali and Russian folk tales are to his credit. He was a Patriot, humanist and a teacher. He was a hard-core secularist and worked ceaselessly for national-integration. He was one of those very few selfless personalities who never wanted to come to the lime-light in his life-time. His views on the J&K state's accession with India and State's in-dissoluble ties with the rest of the country was a cause of anger among the subversive elements. He has kept a copy of holy "Quran" reverentially in his Puja room.

The J&K Govt., has in 1997 awarded this famous litterateur and Freedom fighter (posthumously) with a gold medal for his contributions in the field of social, cultural and communal amity.

In recognition of the excellent services rendered by him in different walks of life, he has been also conferred with Shree-Bhat-Puraskar-2000 and Sharda Puraskar 2006.